سیر و سوانح

موسیٰ بن عقبہ اور ان کی مغازی

———— مولانا جمشید احمد ندوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے اسوہ کامل ہے جس کی روشنی میں معاشرہ کا ہر فرد اپنی حیات مستعار کو امر الٰہی کے بموجب گزار سکتا ہے، اسوہ کامل ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان سیرت نبوی سے مکمل طور پر متعارف ہونا چاہتا ہے تاکہ اس کی پیروی کرسکے اور اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی کی طرح پوری کرے، اسی شوق و جذبہ نے اسلامی علوم و فنون میں فن سیرت جیسے مقدس فن کو جنم دیا[1] جس کی ابتداء عہد صحابہ سے ہی ہو جاتی ہے[2]۔ اور ترقی کے مختلف مدارج کو طے کرتے ہوئے بہت جلد یہ فن اپنی معراج کو پہنچ جاتا ہے۔

اموی عہد میں اسلامی علوم و فنون کی باضابطہ داغ بیل ڈالی گئی اور تدوین و تالیف کے کارنامے انجام دیئے جانے لگے تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ سیرت جیسے مقدس فن کی طرف توجہ مبذول نہ کی جاتی، دیگر علوم و فنون کی طرح فن سیرت بھی اپنے ابتدائی مراحل میں کتب حدیث اور صحائف حدیث میں یا حدیث کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتا تھا۔ محدثین درس حدیث کے ضمن میں سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے تھے۔ لیکن جوں جوں علوم و فنون ترقی کے مدارج طے کرتے گئے توں توں اس کی مختلف شاخیں الگ ہو کر مستقل حیثیت اختیار کرتی چلی گئیں۔ فن سیرت سے بھی دلچسپیاں بڑھتی رہیں حتیٰ کہ اس نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کرلی[3] اور یہ بالکل اس کے ابتدائی زمانہ میں ہی ہوگیا تھا اور اس کی ابتدائی شکل یہ تھی بہت سے صحابہ اور تابعین مستقل فن کے طور پر سیرت کا درس دیتے تھے جن کی تعداد موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱ ھ) سے بقول فواد سزگین ۱۸[4] اور بقول قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم ۱۳ تک پہنچتی ہے[5]

عہد صحابہ و تابعین میں لکھی جانے والی اکثر کتب سیرت زمانہ کی دست برد کا شکار ہوگئیں اور صرف ان کے نام کتب سیرت اور کتب تراجم میں باقی رہ گئے۔ اس عہد کے سیرت نگاروں کو ہم تین طبقات میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) طبقہ اولیٰ: عروہ بن زبیر (م ۹۳ھ) ابان بن عثمان (م ۱۰۵ھ) وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) اور شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ)

(۲) طبقہ ثانیہ: ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ) اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۵ھ)

(۳) طبقہ ثالثہ: موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) معمر بن راشد (م ۱۵۰ھ) محمد بن اسحٰق (م ۱۵۲ھ) اور واقدی (م ۲۰۷ھ)[۵]

مذکورہ تینوں طبقوں کی اکثر کتب ناپید ہوچکی ہیں، مذکورہ مولفین میں صرف سیرت ابن اسحاق اور واقدی کی کتب سیرت ہم تک یوں پہنچی ہیں کہ اول الذکر کی تہذیب ابن ہشام نے کی تھی جو اصل کتاب مان لی گئی ہے اور ابھی حال ہی میں سیرت ابن اسحاق کے کچھ اجزاء دستیاب ہوئے ہیں جنھیں ڈاکٹر حمید اللہ ڈاکٹر سہیل زکار نے اپنے اپنے قیمتی مقدموں کے ساتھ شائع کیا ہے اور جبکہ موخر الذکر کتاب کا صرف ایک تہائی حصہ دستیاب ہوسکا ہے جو صرف غزوات پر مشتمل ہے جب کہ اس کے ابتدائی دو اجزاء کتاب المبدا روالمبعث ہنوز دستیاب نہیں ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ قدیم ماخذ سے اس کی بازیافت کی جائے۔ ان کتب کے علاوہ عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے مختلف کتب سے اکٹھا کرکے شائع کی ہے لیکن اس میں صرف وہی روایات مذکور ہیں جو ابوالاسود دوئی سے مروی ہیں، جبکہ امام زہری کی کتاب سیرت کو سہیل زکار نے جمع کرکے شائع کیا ہے اور راقم سطور نے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن کا شمار ابتدائی مولفین سیرت میں ہوتا ہے جنھوں نے فن سیرت نبوی کے صرف خدوخال ہی واضح نہیں کیے بلکہ اس کا علمی نہج بھی مقرر کیا اور اس فن کے بال و پر سنوارنے کے ساتھ ساتھ اس کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا کہ جب بھی سیرت نگاری کی تاریخ لکھی جائے گی تو ان کا تذکرہ ناگزیر ہوگا۔

یہ عجیب علمی المیہ ہے کہ ہم تک تقریباً سارے علوم وفنون کے اہم مصادر نہیں پہنچے ہیں۔ خاص طور پر وہ مصادر تو تقریباً ناپید ہو گئے ہیں جو قرن اول وثانی میں منظر عام پر آئے تھے جن کے متعلق ہماری معلومات کا ذریعہ متاخرین کی کتب ہیں جن میں ان مصادر کے بعض ٹکڑے محفوظ ہو گئے ہیں یا ان کے متعلق صراحت متاخرین نے اپنی کتابوں میں کر دی ہے، لیکن اس کے باوجود متاخرین کی کتب متقدمین کی زندگی اور ان کے علمی کارناموں کی بنیادی معلومات بھی فراہم نہیں کرتی ہیں جس سے ان کی علمی قدر ومنزلت اور ان کے علمی کارناموں کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس المیہ کی بہترین مثال موسیٰ بن عقبہ کی زندگی ہے[۱] انھیں اس فن کے بانیوں میں شمار کرنا چاہیے انھوں نے اسے علمی اسلوب عطا کیا اور اس کے ابتدائی خدوخال اجاگر کیے۔ سیرت پر لکھنے والا کوئی شخص ان کی کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ بن عقبہ کی زندگی کا سوانحی خاکہ بہت سی کتب میں موجود ہے لیکن ان سے حاصل شدہ معلومات موسیٰ بن عقبہ کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے ناکافی اور غیر مکمل ہیں کہ ان معلومات کی مدد سے ان کی زندگی کا کوئی مکمل خاکہ پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے ان کی شخصیت ان کے خاندان ومعاشرہ کی کیفیت اور فن حدیث وسیرت وفقہ میں ان کی خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں ان کی سن ولادت، ان کی والدہ کا اسم گرامی جیسی بنیادی چیزوں سے آگاہی بھی نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود دستیاب معلومات کی روشنی میں ان کی زندگی کا تفصیلی خاکہ پیش ہے۔

خاندان: سیرت نگاری میں ان کی شہرت کے باوجود ان کے خاندان کے متعلق بہت ہی ناکافی معلومات میسر ہیں۔ حتیٰ کہ یہ یقینی طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خاندان کب اور کہاں سے آکر مدینہ میں سکونت پذیر ہوا، اور وہاں منتقل ہوتے کے کیا اسباب تھے، مصادر جو ہمیں معلومات فراہم کرتے ہیں ان سے یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ وہ رومی الاصل تھے کیونکہ فسوی کا بیان ہے "کان ابوہ رومیا" فسوی کے علاوہ کسی نے بھی انھیں رومی نہیں کہا ہے لیکن اس کے باوجود مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے، خواہ ضعیف طور پر ہی سہی۔ کہ وہ روم کے رہنے والے تھے۔

اس خاندان کے جس پہلے فرد کا ذکر کتب تراجم وغیرہ میں ملتا ہے وہ موسیٰ بن

عقبہ کے دادا ابوعیاش[۹۰] کا ہے جو حضرت زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے[۱۰۰]۔ ان کے دادا کے متعلق بھی اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ رومی تھے اور ان کے تین بیٹے ابراہیم، محمد اور موسیٰ تھے۔ ان سب کا شمار ثقہ محدثین میں ہوتا ہے[۱۰۱] موسیٰ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے[۱۰۲]

ان کے ننہالی خاندان کے متعلق بھی کچھ معلومات فراہم نہیں ہوتی ہیں مصادر صرف یہ بتاتے ہیں کہ ان کے نانا کا نام ابوحبیبہ تھا جو حضرت زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے[۱۰۳] لیکن ان کی والدہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ان کا نام بھی کہیں مذکور نہیں ہے[۱۰۴] جہاں تک فسوی کے قول "کانت قرشیۃ"[۱۰۵] کا تعلق ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ مصادر متفق طور پر یہ بتاتے ہیں کہ وہ ابوحبیبہ کی صاحبزادی تھیں اور ابوحبیبہ حضرت زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قریشی ہونے کے باوجود آزاد کردہ غلام کی بیٹی ہوں، اس کی ایک توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ فسوی نے اس سے مراد ولاء لیا ہے اور اسی بنیاد پر انھیں قریشی کہا ہے۔ بصورت دیگر فسوی کو ان کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دادا اور نانا دونوں ہی حضرت زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے اور دونوں خاندان میں اسی قدر مشترک کی وجہ سے پہلے ہی روابط پائے جاتے تھے ان تعلقات اور روابط کو ابوعیاش نے اپنے بیٹے عقبہ کی شادی ابوحبیبہ کی صاحبزادی سے کرکے مزید مضبوط اور پائیدار بنایا ہوگا۔

اسم و نسب

ابومحمد موسیٰ بن عقبہ بن ابوعیاش اسدی مدنی مولی آل زبیر، اور ایک قول کے مطابق حضرت زبیر کی بیوی ام خالد بنت خالد بن سعید کے غلام تھے، مذکورہ نسب پر سارے مصادر کا اتفاق ہے سوائے ابن عماد حنبلی کے کہ انھوں نے ابن ناصر الدین کی کتاب بدیعۃ البیان کے حوالہ سے ان کا نسب یوں نقل کیا ہے موسیٰ بن عقبہ بن ربیعۃ بن ابی العیاش الاسدی[۱۰۶]

ولادت وبچپن

موسیٰ بن عقبہ کی شہرت کے باوجود ان کی زندگی کے اکثر حالات پردہ خفا میں ہیں حتیٰ کہ یقینی طور پر ان کی تاریخ پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ سب سے پہلے ڈاکٹر یوسف ہورونس نے اندازہ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۵ھ قرار دی تھی اور دلیل میں ان سے مروی ایک روایت پیش کی ہے "حججت وابن عمر بمکة عام حج نجدة الحروری" اور نجدہ حروری نے طبری کے بقول ۶۸ھ میں حج کیا تھا، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ موسیٰ بن عقبہ عمر کے اس حصہ پر پہنچ گئے ہوں جہاں حج فرض ہو جاتا ہے۔

یوسف ہورونس کی اندازہ سے قائم کی گئی تاریخ ولادت کو ان کے بعد والے اکثر مصنفین اور موسیٰ بن عقبہ کے ترجمہ نگار حضرات نے بعینہٖ قبول کر لیا سوائے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی اور ڈاکٹر صالح العلی کے اول الذکر نے تقریباً ۶۰ھ اور مؤخر الذکر نے تقریباً ۵۰ھ کو ان کی تاریخ ولادت مقرر کیا ہے لیکن دونوں حضرات میں سے کسی نے بھی اپنے قول کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، اگر مصطفیٰ اعظمی کے قول کو مان لیا جائے تو یوسف ہورونس اور ان کے مؤیدین کا قول باطل ہو جائے گا کہ انھوں نے حج سن بلوغ کے بعد کیا تھا کیونکہ ۶۰ھ پیدائش مان لینے کی صورت میں نجدہ حروری کے حج کے وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال ہوتی ہے۔ شاکر مصطفیٰ نے ان کی پیدائش ۵۵ھ اور ۶۰ھ کے درمیان قرار دی ہے۔

ان کی ولادت کے متعلق ان سب اقوال کے باوجود ہمارے پاس کوئی پیمانہ یا دلیل نہیں ہے جس کی روشنی میں ہم ان کی تاریخ ولادت کو یقینی طور پر متعین کر سکیں۔

ان کی ولادت کی طرح ان کے بچپن بلکہ جوانی تک کے حالات بالکل ہی تاریکی میں ہیں کہ ان کی تعلیم و تربیت کب اور کہاں ہوئی نیز ان کی پرورش و پرداخت کن افراد کے زیرِ سایہ ہوئی اور ان کے بچپن کے مشاغل کیا تھے؟

شیوخ

موسیٰ بن عقبہ نے جو زمانہ پایا تھا وہ تدوین و تالیف کا زمانہ تھا۔ مدینہ اس

وقت علما، محدثین کے لیے مرکز بنا ہوا تھا، دور دور سے طالبان علم اس مرکز کی طرف کشاں کشاں آتے اور وہاں فروکش ہو جاتے۔ مسجد نبوی اور دیگر مقامات پر محدثین نے مسند درس بچھا رکھی تھی جہاں دور دراز سے آنے والے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے، مختلف علوم وفنون جیسے تفسیر، حدیث فقہ اور سیرت نبوی کے متعدد مراکز قائم تھے۔ موسیٰ بن عقبہ اس علمی فضا میں پروان چڑھے اور اپنی علمی پیاس ممتاز اساتذہ سے بجھائی، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا جو آخر عمر تک برقرار رہا جہاں تک امام ذہبی کے قول "طلب موسی العلم وھو کھل" کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھوں نے بڑھاپے میں علم حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم ومعرفت کی تلاش میں آخر عمر تک سرگرداں رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے متعدد اکابرین فن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ جن میں چند اہم اساتذہ میں اسحاق بن یحییٰ بن ولید، حمزہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن عبداللہ بن عمر (م ١٠٦ھ) شرجیل بن سعد (م ١٢٣ھ) صفوان بن سلیم (م ١٣٢) ابوزناد عبداللہ بن ذکوان (م ١٣٠) **عبداللہ بن علی بن حسین بن علی، عبدالرحمن** ہرمز اعرج (م ١١٧) **عروہ بن زبیر** (م ٩٢) عکرمہ مولیٰ ابن عباس (م ٩٨) ابن شہاب زہری (م ١٢٤) نافع مولی بن عمر اور ان کے نانا ابو حبیبہ کے علاوہ ام خالد بنت خالد بن سعید وغیرہ شامل ہیں[٢٢]

تلامذہ

موسی بن عقبہ کا شمار اس عہد کے کبار محدثین، عظیم فقہاء اور سیرت کے ماہرین میں ہوتا ہے، مسجد نبوی میں واقدی کے بیان کے مطابق ان کا ایک حلقہ درس لگا کرتا تھا جہاں موسیٰ بن عقبہ درس وتدریس کے علاوہ فتاویٰ بھی صادر کیا کرتے تھے[٢٣] ان کی شہرت سن کر لوگ ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے کے لیے آتے تھے وہ انھیں اپنے علمی تبحر اور مہارت سے سیراب کیا کرتے تھے اور بسا اوقات علمی اجازت بھی دیا کرتے تھے[٢٤] شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں محدثین فقہاء اور سیرت نگاران رسول سب ساتھ ہی ساتھ شامل ہیں، ان کے تلامذہ کی ایک طویل

فہرست ہے چند اہم تلامذہ میں ابراہیم بن طہمان، ابو اسحاق فزاری، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ (م ۱۶۹ھ) سفیان ثوری (م ۱۹۱ھ) سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ) عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) محمد بن فلیح (م ۱۹۷ھ) وہیب بن خالد (م ۱۶۵ھ) اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ جیسے اشخاص شامل ہیں[۲۴]

علمی قدر و منزلت

موسیٰ بن عقبہ مدینہ کے علم پرور ماحول میں پروان چڑھے اور علوم متداولہ میں درک حاصل کرنے کے بعد مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے جہاں انھوں نے سیرت نگاری پر خاص توجہ دی اور سیرت نبوی کی ایک عظیم الشان کتاب تصنیف کی کہ علماء کے نزدیک اسے قبول عام حاصل ہوا اور اس فن کی معتمد کتاب گردانی گئی حتیٰ کہ اس کا شمار چند بنیادی کتابوں میں ہونے لگا کہ اس عہد کے کسی سیرت نگار کے لیے یہ ممکن نہیں رہ گیا کہ وہ اس سے صرف نظر کر کے اس موضوع پر کچھ تحریر کر سکے جس کا واضح ثبوت مغازی موسیٰ بن عقبہ کی وہ منتشر روایات ہیں جو متاخرین کی کتب سیرت میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ کی سیرت نگار حیثیت کے سامنے ان کی شخصیت کے دیگر پہلو ماند پڑ گئے ورنہ واقدی کے بقول وہ اپنے عہد کے ممتاز مفتی بھی تھے، یعقوبی نے انھیں عباسی خلیفہ اول ابوعباس سفاح کے عہد کے ممتاز مفتیوں میں شمار کیا ہے[۲۵] اور ذہبی نے ان کا تذکرہ تابعین فقہاء میں کیا ہے[۲۶] لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے عہد کے اہم مفتی ہونے کے باوجود ان کے فتاویٰ بہت زیادہ دستیاب نہیں ہیں ممکن ہے کہ ان کے جمع کرنے کی یا انھیں محفوظ کرنے کی کوشش ہی نہ کی گئی ہو تاہم ان کے چند فتاویٰ کتب میں محفوظ رہ گئے ہیں مثال کے طور پر ہم صرف دو فتوے ذکر کریں گے۔

(۱) الغائب المطلق لا یسھم لہ ولم یسھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لغائب قط الا یوم خیبر فانہ اسھم لاھل الحدیبیۃ من حضر منھم ومن غاب لقول اللہ وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا۔[۲۷]

(۲) أنہ کان یری نکاح العبد بغیر اذن ولیہ زنی ویری علیہ الحد ولیعاقب

الذین انکحوھما۔[۲۹]

موسیٰ بن عقبہ کی ایک حیثیت محدث کی بھی تھی، ائمہ جرح و تعدیل نے انھیں ثقہ محدثین میں شمار کیا ہے اور ان کی توثیق پر اعتماد ظاہر کیا ہے۔ ان کا شمار محدثین کے پانچویں طبقہ اور ایک قول کے مطابق چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے[۳۰] ان کے تمام بھائی محدث تھے لیکن وہ ان میں بقول ابن معین سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے[۳۱] واقدی نے بھی ان کا ذکر بطور محدث کیا ہے[۳۲] اور ذہبی نے "وقع لنا حدیثہ عالیا فی مواضع من اعلاھا" کا فرمان صادر کیا ہے[۳۳]

ان کی مرویات صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بکھری پڑی ہیں، صرف صحیحین میں ان کی بیسیوں روایتیں مذکور ہیں اور مختلف کتب حدیث میں ان کی مرویات کی تعداد بہت ہی محتاط اندازے کے باوجود پچاس سے زیادہ تجاوز کر جائے گی۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، موطا امام مالک، مسند امام احمد میں درج ان کی مرویات سے ان کی محدثانہ عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

موسیٰ بن عقبہ کی شخصیت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ وہ فن جرح و تعدیل کے بھی ماہر تھے، حالانکہ ہمارے پاس اس ضمن میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں بس دو چار اقوال ایسے ملتے ہیں جن کی روشنی میں یہ بات طے کی جا سکتی ہے کہ انھیں فن جرح و تعدیل میں بھی درک تھا مثال کے طور پر خارجہ بن زید کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں "روایۃ خارجۃ بن زید عن عمہ یزید بن ثابت مرسلۃ لان عمہ قتل زمن الصدیق"[۳۴]

اسی طرح صحابہ کرام کی تاریخ وفات کا بھی بسا اوقات ذکر کرتے ہیں مثلاً انھوں نے معاذ بن جبلؓ کی جو تاریخ وفات بتائی ہے اسے ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔[۳۵]

آل زبیر سے تعلق

موسیٰ بن عقبہ کا تعلق آل زبیر سے بہت گہرا تھا کیونکہ وہ اس کے مولی تھے۔ اس زمانہ میں مالک اور آزاد کردہ غلام میں فرق مراتب بہت زیادہ ہوا کرتا تھا اور ان کے درمیان اچھے تعلقات ہوتے تھے اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اور آل زبیر کے درمیان بھی تعلقات خوشگوار رہے ہوں گے، اور ان کے آپس میں

خاندانی روابط موجود رہے ہوں گے اس کی ایک اہم اور بنیادی دلیل یہ ہے کہ ہشام بن عروہ سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے اور وہ ان سے ملنے کے لیے مدینہ آئے تھے[36] ان تعلقات کے پس منظر میں یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ انھوں نے اس خانوادہ سے علمی استفادہ کیا ہو، اور ان کے اہم سیرت نگار، محدث اور فقیہ ہونے میں اس خاندان کا فضل و کمال بھی شامل رہا ہو[37] حالانکہ کوئی ایسی صراحت نہیں ملتی ہے کہ انھوں نے براہِ راست اس خاندان سے علمی استفادہ کیا ہو، جبکہ عروہ بن زبیر کا شمار ان کے اساتذہ میں ہوتا ہے اور شاید انھیں کی ذات گرامی سے انھیں فن سیرت نگاری سے شغف پیدا ہوا ہو، آل زبیر سے انھیں روابط و تعلقات کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ انھیں اموی حکومت میں کوئی قابل ذکر منصب نہیں مل سکا[38] حالانکہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ان کے تعلقات اموی حکمرانوں سے خوشگوار ہو گئے۔ آل زبیر سے متعلق ان کی مرویات کی بنیادی وجہ ان کے نانا ابو حبیبہ تھے جو آل زبیر کے موالی تھے لہٰذا انھوں نے بہت سی روایات اپنے نانا سے اس خاندان کے بارے میں کی ہیں[39]

ایک اور امتیاز

موسیٰ بن عقبہ اپنے علم و فضل کے ساتھ ساتھ مجاہد بھی تھے جو اسلامی جنگوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور شاید یہ امتیاز ان کے ہمعصر مولفین سیرت میں کسی کو حاصل نہیں ہے۔ طبری نے جنگ جمل میں ان کی موجودگی کو حزب زبیری میں شامل کیا ہے[40] اسی طرح ذہبی نے موسیٰ بن عقبہ کی روایت نقل کی ہے کہ "میں نے ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ روم کے خلاف غزوات میں شرکت کی ہے[41]"

موسیٰ بن عقبہ کی مذکورہ بالا روایت سے یوسف ہوروٹس کی یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ وہ اموی حکمرانوں کے قریب نہیں رہے[42] حقیقت یہ ہے کہ ان کے تعلقات اموی حکمرانوں سے خوشگوار تھے اور وہ ان سے چاہے کبھی کبھی ہی ملتے بھی تھے، کیونکہ ان کی شخصیت خصوصاً ایک سیرت نگار کی حیثیت سے کوئی معمولی اور عام شخصیت نہیں تھی لہٰذا یہ بات ذرا بعید از قیاس لگتی ہے کہ وہ روم کے خلاف

اموی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوئے ہوں گے، بلکہ ان کی فضیلت و شہرت کے پیش نظر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ یا فوجی آفیسر رہے ہوں گے یا فوج کے دینی پیشوا و امام رہے ہوں گے جو ان کی اسلامی فرائض کی ادائیگی وغیرہ کی نگہداشت کرتے رہے ہوں گے اور عام فوجیوں کے مسائل کا حل اسلامی قانون کی روشنی میں پیش کرتے ہوں گے۔

اب رہی یہ بات کہ اموی حکومت میں وہ کسی قابل ذکر منصب پر نہیں تھے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اموی حکمراں نے انھیں ان کے زبیری نظریات کی وجہ سے کسی منصب پر فائز نہیں کیا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ انھیں مناصب کی پیشکش کی گئی ہوگی لیکن انھوں نے اپنی علمی مشغولیات کے پیش نظر اسے قبول کرنے سے معذرت کرلی ہوگی کہ نشر و اشاعت دین و علم میں ہمہ تن متوجہ رہ سکیں لیکن یہ سب محض قیاس و تخمینی باتیں ہیں ورنہ ہمارے پاس کوئی علمی ثبوت اور تاریخی حقائق نہیں ہیں کہ ان کی روشنی میں ہم یقینی طور پر حکومت سے ان کے تعلق کی نوعیت کے بارے میں کچھ کہہ سکیں۔

موسیٰ بن عقبہ کی اجتماعی اور عام زندگی کے بارے میں مصادر اس سے زیادہ تفصیلات فراہم نہیں کرتے ہیں۔

ائمہ جرح و تعدیل اور موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ کا شمار مشہور سیرت نگار، ثقہ محدثین اور فاضل فقہائے اسلام میں ہوتا ہے۔ علماء کے درمیان ان کی شخصیت بہت زیادہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی، اکثر علماء جرح و تعدیل نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے[۹۳] اور بقول امام نووی ان کی توثیق پر اجماع ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا ان سے روایات کرنا ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

ابن معین نے موسیٰ بن عقبہ کی توثیق کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تضعیف بھی کی ہے۔ گو ان کی روایت میں کچھ ضعف ہے جس کا جواب ذہبی اور ابن حجر نے دیا ہے کہ یحییٰ ابن معین سے اکثر روایات ان کی توثیق کے متعلق ہی ملتی ہیں۔ لہٰذا

ان کی "عن نافع" کی تضعیف کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ "عن نافع" میں "مالک عن نافع" اور عبیداللہ عن نافع کی طرح قوی نہیں ہیں۔ اور ان کا یہ فرمان ان کی عام روایات کے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر علماء نے ان پر اعتماد ظاہر کیا ہے[۲۴]

وفات

اکثر مصادر میں ان کی تاریخ وفات ۱۴۱ھ بمقام مدینہ ملتی ہے، نوح بن حبیب نے ۱۴۲ھ اور ابن حبان نے ۱۳۵ھ ذکر کی ہے یہ اقوال محتاج دلیل ہیں جبکہ خلیفہ بن خیاط نے یقینی طور پر ان کی تاریخ ذکر نہ کرتے ہوئے ۱۴۰ھ کے بعد ان کی وفات بیان کی ہے[۲۵]

علمی کارنامے

موسیٰ بن عقبہ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ان کی کتاب المغازی ہے جس سے انھیں شہرت دوام ملی اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب "کتاب الموالاۃ" کا پتہ بھی چلتا ہے حالانکہ یقینی طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مصادر اس کتاب کے متعلق بالکل خاموش ہیں لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب لکھی ہوگی لیکن ان کی مغازی کی طرح وہ بھی زمانہ کی دست برد کا شکار ہوگئی ہوگی۔ چونکہ موسیٰ بن عقبہ کا تعلق طبقہ موالی سے تھا جس نے علوم وفنون کی تدوین اور اس کی نشر و اشاعت میں قابل قدر اور قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ اس طبقہ میں بڑے بڑے مصنفین محدثین فقہاء و مفسرین پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو اور اس میں طبقہ موالی کے مشاہیر علماء کے حالات اور ان کے کارنامے ذکر کیے ہوں، ہمارے اس قیاس کی بنیاد ابن حجر کی اصابہ میں مذکور ایک جملہ ہے جو انھوں نے عبداللہ بن فضالہ مزنی کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "ذکرہ ابن عقبۃ فی کتاب الموالاۃ وابن شاہین فی الصحابۃ"[۲۶] ابن حجر کے مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکالنے کی ایک وجہ ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس کتاب کے ساتھ ساتھ ابن شاہین کی کتاب الصحابہ کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمارے

پاس موجود ہے اور ابن حجر جیسے شخص سے یہ امید نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ کوئی غلط بات کسی کی طرف منسوب کریں گے۔ لیکن ہمارے پاس ابن حجر کے اس قول کے علاوہ کوئی علمی ثبوت اور تاریخی دلیل نہیں ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کچھ کہہ سکیں کہ انھوں نے مذکورہ کتاب لکھی تھی اور نہ مصادر سے ابن حجر کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) **کتاب المغازی** : یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ انھوں نے سیرت کی ایک کتاب لکھی تھی جس نے انھیں شہرت دوام بخش دی کہ جب کبھی بھی فن سیرت نگاری کا جائزہ لیا جائے گا تو اس میں ان کا تذکرہ ضرور شامل ہوگا کیونکہ ان کی کتاب کا شمار ان چند اہم اور بنیادی کتب میں ہوتا ہے جو مصادر کا درجہ پا چکی ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب ہم تک اپنی اصل شکل میں نہیں پہنچی بس اس کے شذرات ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں، ان ہی ٹکڑوں کو جوڑ کر ہم نے اس کتاب کی ایک تصویر بنانے کی کوشش کی ہے۔

سبب تالیف : موسیٰ بن عقبہ کی زندگی کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ساری زندگی حدیث وفقہ سیرت نبوی و دیگر علوم وفنون کی اشاعت وترویج میں گزار دی، ان کے اوقات کا اکثر حصہ مسجد نبوی کے حلقہ درس وتدریس خصوصاً سیرت نبوی کی تدریس میں گزرتا تھا لیکن انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کے متعلق آخر آخر عمر تک نہیں سوچا تھا حتیٰ کہ وہ واقعہ پیش آیا جس کی طرف امام مزی (م) نے اشارہ کیا ہے کہ مدینہ کے مشہور سیرت نگار شرجیل بن سعد نے سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھی جس پر معترضین نے یہ اعتراض کیا کہ انھوں نے ذاتی اغراض کی بنا پر اس میں غلط مباحث ذکر کیے ہیں خصوصاً اصحاب بدر واصحاب احد کی فہرست میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ لہٰذا ان کی کتاب قابل اعتبار قرار نہ پائی، جب اس کی بازگشت موسیٰ بن عقبہ تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا لوگ اتنے جری اور بیباک ہو گئے ہیں کہ سیرت نگاروں پر اعتراضات کرنے لگے ہیں اور کبرسنی کے باوجود سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھنی شروع کی اور اس میں اصحاب بدر واحد، مہاجرین حبشہ کی صحیح فہرست فراہم کی[۲۶] اس کی وجہ سے صحیح روایات پر مشتمل سیرت نبوی کی ایک عظیم الشان کتاب منظر عام پر آئی جس میں انھوں نے سیرت نبوی کا مکمل طور پر احاطہ کیا تھا اور

صحیح ترین معلومات درج کرنے کے ساتھ ساتھ اس وقت کے موجودہ سیرتی لٹریچر سے استفادہ بھی کیا، نتیجۃً مغازی موسیٰ بن عقبہ سیرت نبوی کی صحیح ترین اور اساسی کتاب بن گئی کہ سیرت پر لکھنے والا کوئی شخص اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کے مصادر : موسیٰ بن عقبہ نے اپنی کتاب کی تیاری میں سیرت کے ماہرین سے استفادہ کرنے کے علاوہ اس وقت کے سیرتی لٹریچر (تحریری سرمایہ) سے استفادہ کیا تھا چند اہم مصادر درج ذیل ہیں۔

(۱) **عروہ بن زبیر :** عروہ بن زبیر کا شمار اولین سیرت نگاران نبوی میں ہوتا ہے انھوں نے پہلی بار احادیث میں موجود سیرت کی مرویات کو الگ کر کے سیرت کی مستقل کتاب لکھی تھی عروہ بن زبیر اور ابن عقبہ کی مغازی کے باہم موازنہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عقبہ نے مغازی ابن زبیر سے مکمل طور پر استفادہ کیا تھا ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں "مغازی موسیٰ بن عقبہ کے طویل نصوص کا موازنہ جب مغازی عروہ بن زبیر بہ روایت ابوالاسود سے کیا جاتا ہے تو اس میں حروف تک میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور یہ یکسانیت ایک دو فقروں میں نہیں بلکہ صفحات کے صفحات میں موجود ہے"[۲۹] لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہمیں ان کی کوئی ایسی روایت نہیں ملی جو انھوں نے بلا واسطہ عروہ بن زبیر سے کی ہو۔

(۲) **امام زھری :** امام زہری کا شمار ان سیرت نگاروں میں ہوتا ہے جو اس مقدس فن کے اساطین قرار دیئے جاتے ہیں اور جنھوں نے فن سیرت نگاری کو عروج بخشا کوئی ایسا سیرت نگار نہیں گزرا جس نے امام زہری سے استفادہ نہ کیا ہو، موسیٰ بن عقبہ نے بھی ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے ان کی آدھی سے زیادہ مرویات امام زہری پر ہی منتہی ہوتی ہیں ابن معین کہتے ہیں "سیرتی لٹریچر میں موسیٰ بہ روایت زہری صحیح ترین کتاب ہے"[۳۰] بالعموم سند کا امام زہری پر ختم ہونے کی وجہ سے مستشرق شاخت یہ غلط نتیجہ نکال بیٹھے کہ مغازی بن عقبہ میں زہری کے علاوہ جو کچھ مروی ہے وہ غلط ہے اور بعد کے لوگوں کا اضافہ ہے لیکن شاخت کا یہ خیال بالکل بے بنیاد اور غلط ہے کیونکہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ انھوں نے عروہ بن زبیر سے بھی بھرپور استفادہ کیا تھا یہ الگ بات ہے کہ موجودہ نصوص مغازی سے اس کا بہت زیادہ ثبوت نہیں فراہم ہوتا

ہے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے شاخت کے اعتراضات کا مکمل اور شافی جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے موسیٰ بن عقبہ نے یقیناً امام زہری پر کلی اعتماد کیا تھا حالانکہ یہ اعتماد دراصل ان پر نہیں ہے بلکہ عروہ بن زبیر پر ہے کیوں کہ زہری نے عروہ بن زبیر پر کلی اعتماد کیا ہے [51] لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ سند چاہے امام زہری پر ہی کیوں نہ ختم ہو دراصل اس کا منتہی عروہ بن زبیر کی ذات گرامی ہے۔

بالعموم مغازی کی وہ روایات جو محمد بن فلیح نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کی ہیں امام زہری سے مروی ہیں۔ جبکہ ان کے بھتیجے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ کی سند بالعموم ابن عتبہ پر ہی ختم ہو جاتی ہے البتہ چند روایات امام زہری پر منتہی ہوتی ہیں۔

امام زہری پر کلی اعتماد کے باوجود موجودہ نصوص میں اکثر وبیشتر "حدثنا الزہری" کے الفاظ کے بجائے قال ابن شہاب یا زعم ابن شہاب کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے امام زہری سے منقول ہر بات کو من وعن قبول نہیں کیا تھا بلکہ ان کو نقد کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی قبول کیا ہے اور کبھی کبھی ان کی غلطی پر نکیر بھی کی ہے۔

۳۔ **ابو حبیبہ**: تیسرا اہم مصدر ان کے نانا ابو حبیبہ کی شخصیت ہے انھوں نے چونکہ عروہ بن زبیر کے گھرانے میں زندگی گزاری تھی اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت کچھ بالکل صحیح انداز میں سن رکھا تھا جس سے انھوں نے اپنے نواسے کو بھرپور فائدہ پہنچایا تاہم ان سے مروی دستیاب شدہ نصوص میں اکثر کا تعلق خلافت راشدہ وبنوامیہ سے ہے [52]

ان کے علاوہ انھوں نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا لیکن ان شیوخ میں سالم بن عبداللہ سعید بن المسیب ابوسلمہ عطاء بن ابی مروان نافع مولیٰ ابن عمر، عبداللہ بن فضل نافع بن جبیر اور منذر بن جہم شامل ہیں۔ لیکن ان کی طرف منسوب روایات ایک دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

ڈاکٹر اکرم ضیا عمری نے ان کے علاوہ دیگر شیوخ مغازی کا ذکر کیا ہے جن میں صفوان (م ۱۳۲ھ) سعد بن ابراہیم (م ۱۳۵ھ) علقمہ بن وقاص، عبدالواحد بن عباد، کریب مولیٰ ابن عباس (م ۹۸ھ) نافع بن عبداللہ، اسماعیل بن ابی خالد (م ۱۴۶ھ) عبداللہ بن دینار (م ۱۲۷ھ) مغیرہ بن اخنس، ضحاک بن خلیفہ، حمید اور ابوالزبیر (م ۱۲۸ھ) شامل ہیں۔

۲۲۰

ان شیوخ کے علاوہ انھوں نے اس زمانے کے تحریری سرمایہ سے بھی استفادہ کیا تھا جیسا کہ زہیر بن معاویہ بروایت ابن عقبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ "امام کریب مولیٰ ابن عباس نے ان کی بہت ساری کتب ان کے پاس رکھ چھوڑی تھیں، ان کے صاحبزادے علی بن عبداللہ بن عباس کو جب کبھی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تھی وہ موسیٰ بن عقبہ سے وہ کتاب منگوا لیتے تھے اور موسیٰ بن عقبہ اس کے روانہ کرنے سے قبل اس کی ایک نقل تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے[۵۲] اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مختلف کتب کے نسخے تیار کیے ہوں گے، اسی طرح یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عباس کی کتب کے علاوہ ان کے پاس اپنا سرمایہ کتب بھی تھا جیسا کہ علامہ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فضیل بن سلیمان اور نمیری، موسیٰ بن عقبہ سے ایک کتاب مستعار لے کر آئے تھے جو واپس نہیں کی تھی[۵۳] اس کی تائید ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے پاس حضرت نافع کی لکھی ہوئی احادیث موجود تھیں[۵۴] اسی طرح یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ان کے پاس منذر بن ساوی کے پاس روانہ کیے جانے والا مکتوب نبوی بھی تھا۔[۵۵] ان سب باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اپنا ایک ذاتی کتب خانہ تھا جس سے عوام الناس استفادہ کرتے تھے۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کا اسلوب و منہج

اس مغازی کا اسلوب علمی اسلوب ہے جو اس زمانے کے سیرتی اسلوب کا عکاس قرار دیا جا سکتا ہے ابن عقبہ سند بھی ذکر کرتے ہیں واقعات زمانی ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے سیرت نبوی پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی نہ کہ سیرت سے متعلق احادیث و روایات کو اکٹھا کیا تھا، اسی طرح ان کی زبان آسان، سادہ اور سلیس ہے۔ تاہم اس کا ادبی درجہ سیرت ابن اسحاق سے بہر حال کم ہے جس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی جا سکتی ہے کہ ہمارے سامنے جو سیرت ابن اسحاق ہے وہ دراصل ابن ہشام کی قلمی تصرف کا نتیجہ ہے ان دونوں کی ادبی درجہ بندی اسی وقت کی جا سکتی ہے۔ جب سیرت ابن اسحاق کا

اصل نسخہ سامنے ہو۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کے جائزہ سے ان کے اسلوب و منہج کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہم واقعات سیرت جیسے غزوات وسرایا عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کی تاریخیں ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ قرآنی آیات سے استشہاد بھی کرتے ہیں ہر غزوہ سے متعلق روایات کو اس کے اخیر میں لاتے ہیں۔ اشعار سے استشہاد کا بھی طریقہ ان کے اسلوب کی ایک خصوصیت ہے۔ عمرۃ القضاء کے وقت عبداللہ بن رواحہ کے اشعار اور فتح مکہ سے متعلق کہے گئے اشعار، مگر اس طرح کی مثالیں ابن اسحاق کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ابن عقبہ سیرت کے بیان میں افسانوی انداز اختیار نہیں کرتے بعض مقامات پر ایسا گمان گزرتا ہے مثلاً بنا، کعبہ اور مشرکین مکہ کا بدر کی طرف نکلنا تو وہاں بھی کمال احتیاط سے کام لیتے ہوئے "زعموا" اور "ذکروا نهم" جیسے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی صحت کے متعلق انھیں شبہ تھا۔[۵۵] ان کے اسلوب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ غزوات میں شرکت کرنے والوں کے نام کی فہرست پر ہی اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ پورا نسب ذکر کرتے ہیں جیسے من الانصار من الخزرج من بنی زید بن ثعلبہ بن غنم: سعود بن اوس بن زید بن اصرم[۵۶] اسی طرح وہ صحابہ کرام کے نام کے متعلق اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں اس طرح کی متعدد مثالیں ان کی کتاب میں موجود ہیں جیسے سبیع بن حاطب کا نام سویبق بن حاطب بن قیس بھی لکھا ہے۔ جبکہ دیگر سیرت نگار سبیع بن حاطب بن قیس ہی ذکر کرتے ہیں[۵۸] اسی طرح عمرو بن معبد کا نام عمر بن معبد بن ازعر جبکہ ابن اسحاق ان کا نام عمرو بن معبد ہی ذکر کرتے ہیں۔[۵۹]

مغازی موسیٰ بن عقبہ کی اہمیت

مغازی موسیٰ بن عقبہ کا شمار سیرت کی بنیادی اور اہم ترین کتب میں ہوتا تھا۔ اہل علم کے درمیان مدتوں یہ کتاب متداول رہی اور جس نے بھی پڑھا وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آیا۔ یہ کتاب مشرق و مغرب کے حلقہ درس و سیرت میں بھی شامل رہی اور اس سے استفادہ کیے بغیر سیرت پر قلم اٹھانا تقریباً محال تھا

مغازی واقدی کے محقق مارسدن جونس نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے ابن اسحاق کے ساتھ سیرت نگاری کی وہ بنیاد فراہم کر دی ہے جس پر متاخرین نے اپنی اپنی کتابوں کی تعمیر کرتے رہے۔ سیرتی لٹریچر کے جائزہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کی روایات دسویں صدی ہجری تک لکھی جانے والی کتب سیرت میں بکھری ہوئی ہیں جنھیں دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) وہ کتابیں جن کے مولفین نے مغازی موسیٰ بن عقبہ سے براہ راست استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے اور اسے اپنی کتاب سیرت کا ایک اہم مصدر قرار دیا ہے۔ (۲) وہ کتب سیرت جن میں مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایات تو موجود ہیں لیکن ان کے مولفین کی طرف سے کوئی صراحت نہیں ملتی ہے انھوں نے اس کتاب سے کیونکر فائدہ اٹھایا ہے۔ چند کتب کا ذکر درج ذیل سطور میں کیا جارہا ہے۔

(۱) ابن عبدالبر کی الدرر فی المغازی والسیر: اس کتاب کے متعلق یہ کہا جاتا ہے یہ مغازی موسیٰ کی تلخیص ہے مصنف نے تین طرق سے مغازی موسیٰ سے استفادہ کیا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے سیرت رسول کے سارے واقعات مغازی موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق سے نقل کیے ہیں[۶۰]۔ اس لحاظ سے اس کتاب میں بہت زیادہ روایات موجود ہونی چاہئیں لیکن ان کی تعداد دیگر کتب کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

(۲) ابن عبدالبر کی الاستیعاب فی معرفۃ الصحابۃ: اس کتاب میں بھی الدرر کی طرح انھوں نے تین طرق سے استفادہ کیا ہے[۶۱] اس کتاب میں بالعموم ابن عبدالبر نے ان فہارس سے استفادہ کیا ہے جو انھوں نے اصحاب بدر و احد اور مہاجرین حبشہ کے متعلق تیار کی تھیں۔

(۳) امام کلاعی کی الاکتفا۔ الاکتفا سیرت نبوی کی ایک اہم کتاب ہے جس میں سیرت رسول کے ساتھ خلفاء ثلاثہ کے حالات مذکور ہیں ممکن ہے یہ طریقہ امام کلاعی نے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب دیکھ کر ہی اختیار کیا ہو کیونکہ ان کی کتاب کا دائرہ کار عہد اموی تک محیط ہے کہ انھوں نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں اپنی کتاب کی ترتیب اسی کتاب کے طرز پر رکھوں گا۔[۶۲]

(۴) ابن سید الناس کی عیون الأثر : یہ کتاب بھی مغازی مذکور کی تلخیص کہی جاتی ہے کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو اپنے اشعار احمد بن ابراہیم بن فرج فاروقی سے سنا تھا، اور اس سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے[۶۳]

(۵) امام واقدی کی کتاب المغازی : امام واقدی نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ اس کا اعتراف انھوں نے نہیں کیا ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں تاریخ یعقوبی کے اس بیان سے ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے موسیٰ بن عقبہ سے جو نقل کیا ہے وہ امام واقدی کے حوالے سے لکھا ہے[۶۴] واقدی اپنی تمام سندوں کو ایک ساتھ بیان کر دیتے ہیں اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ الفاظ موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف ہوروتس اور ڈاکٹر احسان عباس بھی اس بات کے قائل ہیں کہ واقدی نے موسیٰ بن عقبہ سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ اس کا ذکر بالعموم نہیں کرتے ہیں[۶۵] مغازی واقدی میں موسیٰ بن عقبہ کی پانچ روایات میں طویل ترین روایت بعث خالد الی اکیدر بن عبد الملک ہے۔

(۶) ابن سعد (م   ) کی طبقات ابن سعد : ابن سعد نے بھی اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے[۶۶] خصوصًا انھوں نے موسیٰ بن عقبہ کی تیار کردہ فہارس کے حوالے جا بجا دیئے ہیں۔

(۷) طبری کی تاریخ الرسل والملوک : امام طبری نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے زیادہ کا تعلق خلفائے راشدین اور عہد اموی سے ہے۔

(۸) بیہقی کی دلائل النبوۃ : یہ کتاب اس لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اس کتاب میں مغازی موسیٰ بن عقبہ کا سب سے زیادہ سرمایہ محفوظ ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقریبًا پوری کتاب ہی اس میں نقل کر دی گئی ہے۔

(۹) امام ذہبی کی السیرۃ النبویۃ : امام ذہبی نے کتاب مذکور کو ابو نصر فارابی سے مزہ میں پڑھا تھا جس سے انھوں نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں استفادہ کیا ہے جو دراصل ان کی تاریخ الاسلام کا پہلا حصہ ہے۔

(۱۰) ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ : یہ کتاب دراصل البدایۃ والنہایۃ کا ایک حصہ ہے جسے ڈاکٹر عبد الواحد نے اس کی اہمیت کی وجہ سے الگ سے شائع کیا ہے اور

اس کی اہمیت کی وجوہ گناتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ابن کثیر سیرت نگاران رسول میں اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے بعض مفقود کتب سیرت جیسے مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی یحییٰ بن سعید اموی سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی روایات نقل کی ہیں[۶۸] ابن کثیر کی کتاب میں بھی کتاب مذکور کا اچھا خاصا حصہ محفوظ ہے۔

(۱۱) علامہ ابن حجر کی فتح الباری، الاصابۃ اور تہذیب التہذیب: علامہ ابن حجر نے اپنی تینوں کتابوں میں موسیٰ بن عقبہ کی مرویات خصوصًا ان کی تیار کردہ فہارس کے بعض حصوں کو پیش کیا ہے، اسی طرح بین السطور وہ موسیٰ بن عقبہ کے اساتذہ وتلامذہ کا بھی ذکر کرتے ہیں، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری لکھتے ہیں۔ ابن حجر نے مغازی موسیٰ بن عقبہ پڑھی تھی اور انھیں اس کی روایت کرنے کی اجازت بھی تھی[۶۹]

یہ چند کتابیں بطور نمونہ ومثال پیش کی گئی ہیں ورنہ اگر موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے اثرات کا بالاستیعاب جائزہ لیا جائے تو کم از کم دسویں ہجری صدی تک لکھی جانے والی اکثر کتب سیرت اس ضمن میں آجائیں گی۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ علماء کی نظر میں

امت کے اکابر علماء نے اس کی مدح وتوصیف کی ہے ان تمام کا یہ اتفاق ہے کہ یہ اصح المغازی ہے چند آراء واقوال ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ مالک بن انسؒ اس کتاب کے بہت زیادہ مداح اور عاشق تھے ان کے کئی قول اس سلسلہ میں ملتے ہیں وہ فرماتے ہیں تم لوگوں پر نیک فطرت شخص کی مغازی کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ وہ صحیح ترین مغازی ہے۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں تم پر مغازی موسیٰ بن عقبہ کا مطالعہ واجب ہے کیونکہ وہ ثقہ ہے انھوں نے اس کی تصنیف اواخر عمر میں کی ہے تاکہ اصحاب بدر وغیرہ کی صحیح فہرست پیش کرسکیں اور انھوں نے اس میں غیر ضروری چیزیں پیش نہیں کی ہیں جیساکہ ان کے علاوہ دیگر حضرات نے کی ہے[۷۰] ممکن ہے کہ مؤخرالذکر قول سے ذہبی کے خیال کے مطابق ابن اسحاق پر تعریض وتنقید مقصود ہو کیونکہ وہ ابن اسحاق کی سیرت کی بالعموم تنقیص کرتے تھے[۷۱]

(۲) احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں تم لوگوں پر مغازی موسیٰ بن عقبہ کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ وہ ثقہ ہے[۷۲]

(۳) ابن معین کہتے ہیں: موسیٰ بن عقبہ کی کتاب بروایت زہری صحیح ترین کتاب سیرت ہے[۷۳]

(۴) امام شافعی فرماتے ہیں: چھوٹی ہونے کے باوجود کتب سیرت میں اس سے صحیح کتاب نہیں ہے[۷۴]

(۵) امام ذہبی فرماتے ہیں: انھوں نے ایک جلد میں جو بہت ضخیم نہیں ہے سیرت کی کتاب تصنیف کی ہم نے اس کی سماعت کی اس کا اکثر حصہ صحیح روایات جید مراسیل پر مشتمل ہے لیکن مختصر ہے جو مزید اضافے کی متقاضی ہے[۷۵]

امام شافعی وامام ذہبی کے مذکورہ اقوال اور امام مالک کے قول "لم یکثر کما اکثر" وغیرہ سے اس کے متعلق ایک عام رائے یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بہت مختصر رہی ہوگی لیکن بظاہر یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہمیں تلاش وتفحص کے بعد ۱۵۷ اعلا ایک صفحات دستیاب ہوسکے ہیں جنھیں بہت مختصر نہیں کہا جاسکتا اور وہ یقیناً ان صفحات سے زیادہ رہی ہوگی کیونکہ ہمیں مکمل مغازی دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔ اگر صرف ان کی تیار کردہ فہارس ہی مکمل شکل میں دستیاب ہوجائیں تو اس کی ضخامت میں کافی اضافہ ہوسکتا ہے کیونکہ دستیاب فہارس سے اندازہ ہوتا ہے وہ تفصیلی فہارس رہی ہوں گی۔ تاہم ان کی مجموعی کمیت ابن اسحاق کی فہارس سے کم تھی جو اس کی سیرت کی ضخامت کا ایک سبب ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ ابن اسحق نے موسیٰ بن عقبہ کے مقابلے میں اصحاب بدر کی مکمل اور جامع فہرست تیار کی ہے جو ان کی کتاب کی طوالت کا سبب ہے[۷۶] اس کے علاوہ دستیاب شدہ نصوص میں کہیں کہیں خلا پایا جاتا ہے تو کہیں محض اشارات کہ اگر وہ سب مکمل شکل میں دستیاب ہوجائیں تو اس کی ضخامت میں یقیناً کافی اضافہ ہوگا۔ ہاں ان اقوال کی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس زمانہ میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں لکھی جانے والے کتب کی بہ نسبت مختصر رہی ہوگی امام ذہبی بسیار نویس تھے اور ہر چیز کو تفصیل سے پیش کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنی کتاب سیرت کو مختصر قرار دیتے ہیں جبکہ وہ تقریباً پانچ سو سے زائد

صفحات پر مشتمل ہے ان کی تفصیل کا اندازہ ان کی کتاب تاریخ الاسلام سے کیا جاسکتا ہے جو تقریباً ۵۴ جلدوں پر مشتمل ہے، توان جیسے بسیار نویس کے نزدیک موسیٰ بن عقبہ کی کتاب یقیناً مختصر قرار پائے گی۔

۶۔ حاجی خلیفہ اور امام کتانی اسے صحیح ترین کتاب سیرت قرار دیتے ہیں[۷۶]۔

۷۔ فواد سیزگین فرماتے ہیں: عصر اموی کی جامع ترین کتاب سیرت مغازی بن عقبہ ہے[۷۸]۔

۸۔ ڈاکٹر شاکر مصطفیٰ کا کہنا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ ایک منہجی اور تاریخی فکر کی وجہ سے ممتاز ہیں[۷۹]۔

۹۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری فرماتے ہیں: مغازی موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق اس فن کی صحیح ترین کتب ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب ابن اسحاق کی کتاب کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہے اور صحیح ترین ہے[۸۰]۔

۱۰۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں وہ بالعموم صحیح روایات نقل کرتے ہیں[۸۱]۔

یہ چند اقوال و آراء تھے جن سے اس کتاب کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کی خصوصیات

اس کتاب کے جائزہ سے اس کی بہت سی خصوصیات سامنے آئی ہیں۔ ان میں سے چند خصوصیات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ دو واقعات کے درمیان کا وقفہ بیان کرتے ہیں۔ ۲۔ وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ۳۔ حوادث و واقعات کی متعین تاریخ بتاتے ہیں۔ ۴۔ عدم واقفیت کا اعتراف کرتے ہیں اور کبھی کبھی یقینی طور پر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کے متعلق یقین سے بیان کرنے کی بجائے مجہول صیغہ سے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اور ہر چیز مکمل تحقیق کے بعد نقل کرتے ہیں۔ ۵۔ اولیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۶۔ آسان و سلیس زبان استعمال کرتے ہیں۔ ۷۔ درمیان واقعہ آنے والی شخصیات کے متعلق کچھ وضاحتی اشارے نوٹ کرتے ہیں۔ ۸۔ آیات کی تفسیر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سبب نزول

کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ۹۔صحابہ کرام کی اولاد و احفاد کا ذکر کرتے ہیں۔ ۱۰۔صحابہ کرام کی قرابت داری و رشتہ داری کی وضاحت کرتے ہیں۔ ۱۱۔صحابہ و تابعین وغیرہ کی تاریخ وفات ذکر کرتے ہیں۔ ۱۲۔غزوہ کے متعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں جیسے غزوہ کی روانگی کے وقت مدینہ پر کس کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، غزوہ کے لیے خروج کی کیفیت، میدان جنگ کی تصویر، شہدار کی فہرست اور مقام شہادت کی وضاحت وغیرہ۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کب تک موجود رہی

ہمارا قدیم ترین علمی سرمایہ زمانہ کی دست برد کا شکار ہو چکا ہے انھیں کتب میں یہ کتاب بھی شامل ہے کہ اس کے کسی مکمل نسخہ کی دستیابی آج تک نہ ہو سکی، ہمارے پاس اس کے متعلق جو کچھ معلومات و نصوص موجود ہیں وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے شذرات ہیں جو کتب سیرت و کتب اسمار رجال میں پائے جاتے ہیں تاہم اس کی موجودگی دسویں صدی ہجری تک تقریباً یقینی[۵۲] ہے کیونکہ مورخ و سیرت نگار امام دیار بکری حسین بن محمد (م۹۶۶ھ) نے اپنی کتاب "تاریخ الخمیس فی انفس النفیس" میں اس سے براہ راست نقل کیا ہے[۵۳]

عصر حاضر میں مشہور مستشرق اسپرنگر کو اس کی دمشق میں موجودگی کا پتہ چلا تھا لیکن جب وہ خود اس کی تحقیق میں دمشق پہنچے تو وہ معلومات غلط ثابت ہوئیں[۵۴]

مغازی موسیٰ بن عقبہ کا مطالعہ عہد بہ عہد

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب زمانۂ تصنیف ہی سے اہل علم کی توجہات کا مرکز بن گئی تھی جس کا سلسلہ صدیوں تک دراز رہا۔ پانچویں صدی تک تقریباً وہ سب کے مطالعہ میں رہی جس کا اندازہ ان کتب سے کیا جا سکتا ہے۔ جن میں اس کے نصوص موجود ہیں لیکن اس کے پہلے نسخہ کی تیاری کا سہرا ابونعیم اصبہانی کے سر جاتا ہے۔ اسی نسخہ سے تقریباً دو صدی کے بعد یاقوت حموی نے ایک مزید نسخہ تیار کیا، جس کے ایک حصہ کو بطور انتخاب ابن قاضی شہبہ اسدی دمشقی (م۷۸۹ھ) نے تیار کیا تھا، اس کے بعد ابن حجر (م۸۵۱) کا دور آتا ہے جنھوں نے تقریباً ۲۲۵ روایات

اصابہ میں محفوظ کر دی ہیں اور ان سے پہلے ابن عبد البر اندلس میں اس کی تلخیص الدرر میں پیش کر چکے تھے اور اس کے معتد بہ حصہ کو ابن سید الناس نے اپنی کتاب عیون الاثر میں محفوظ کر دیا تھا۔ ان دونوں کتابوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ اندلس میں بھی بہت زیادہ معروف و مقبول تھی [۹۳] یہ چند نام بطور مثال پیش کیے گئے ہیں ورنہ وہ مستقل علماء کے مطالعہ میں رہی حتیٰ کہ زمانہ کی دست برد کا شکار ہو گئی۔ اسی طرح الاصابہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے کئی نسخے تھے جن میں باہم اختلاف پایا جاتا تھا۔ اسی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ کم از کم اس کے متعدد نسخے ابن فتحون اور ابن حجر کے پاس ضرور موجود تھے[۹۵]

بیسویں صدی سے قبل جب تحریک استشراق شروع ہوئی تو بعض مستشرقین نے ذات نبوی کو اپنا مطمح نظر قرار دیا اور کتب سیرت کی تحقیق میں مصروف ہوئے انھیں میں جرمن مستشرق سخاؤ بھی شامل ہے جس نے ۱۹۰۴ء میں سب سے پہلے مغازی موسیٰ بن عقبہ کے کچھ حصہ کو جرمن ترجمے کے ساتھ دنیا کے سامنے اس دعویٰ کے ساتھ پیش کیا کہ یہ اس کے اصل نسخہ کا باقیماندہ حصہ ہے اس کا انگریزی ترجمہ A.GUILLAUME نے کیا ہے[۹۶]

سخاؤ کے تقریباً پچاس سال بعد ایک اور مستشرق شاخت نے ۱۹۵۳ء میں سخاؤ کے شائع کردہ حصہ کو موسیٰ بن عقبہ کی اصل کتاب ماننے سے انکار کیا وہ اسے بعد کے لوگوں کا اصل کتاب پر اضافہ قرار دیتا ہے۔ سخاؤ کے شائع کردہ حصہ میں امام زہری کے علاوہ دوسرے راویوں سے بھی روایات مروی ہیں جبکہ شاخت کا کہنا ہے کہ ابن عقبہ نے صرف امام زہری سے مرویات نقل کی ہیں لہٰذا ان کے علاوہ جو روایات ہیں وہ بعد کے لوگوں کا اضافہ ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور قدر و منزلت بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے شاخت کے ان تمام اعتراضات کا تفصیلی جائزہ اپنی کتاب "دراسات فی الحدیث النبوی" میں لیا ہے اور ان کی علمی و عقلی تردید کی ہے[۹۷]

سخاؤ کا شائع کردہ نسخہ دراصل ابن قاضی شہبہ کا منتخب کردہ نسخہ تھا جسے بعد میں ڈاکٹر مشہور حسن سلمان نے اپنی تقدیم و تعلیق کے ساتھ شائع کیا ہے اور اس میں سخاؤ اور شاخت کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے[۹۸]

ان کے بعد یوسف ہوروتس نے اولین مغازی اور ان کے مولفین پر ایک قیمتی مقالہ لکھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا جس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس مقالہ میں پہلی مرتبہ مقالہ نگار نے موسیٰ بن عقبہ کی زندگی پر کسی حد تک تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

مستشرقین کی ان کوششوں کے بعد شاید سب سے پہلے اکرم ضیاء عمری نے موسیٰ بن عقبہ کی شخصیت و کارنامے پر عربی زبان میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا جس میں انھوں نے موسیٰ ابن عقبہ کی شخصیت اور ان کی مغازی کے باقیماندہ حصوں کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اس کی قدر و قیمت متعین کی ہے اس کی خصوصیات واضح کی ہیں اور اس کا ایک بنیادی خاکہ پیش کیا ہے۔ ان کا یہ مقالہ ۱۹۶۷ء میں بغداد یونیورسٹی کے مجلہ "مجلۃ کلیۃ الدراسات الاسلامیہ" میں موسیٰ بن عقبہ احد الرواد فی کتابۃ السیرۃ النبویہ (ص ۵۹–۸۰) کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس مقالہ نے پہلی مرتبہ مغازی موسیٰ بن عقبہ کی اہمیت کو آشکارا کیا اور اس مغازی کے مشتملات کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ابھی حال ہی میں ڈاکٹر عمری کی ایک کتاب "السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ" منظر عام پر آئی ہے جس میں انھوں نے جابجا اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں اور کتاب کے مقدمہ میں موسیٰ بن عقبہ کے متعلق کچھ نئی معلومات فراہم کی ہیں۔

عصر حاضر کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی موسیٰ بن عقبہ اور ان کی کتاب پر تحقیقی کام ہوئے ہیں ہماری اب تک کی معلومات کے مطابق موسیٰ بن عقبہ کی شخصیت پر دو اہم تحقیقی کام انجام پائے ہیں جو دراصل ایم اے کے مقالے ہیں ایک مقالہ مدینہ یونیورسٹی میں استاد محمد باقشیش نے اکرم ضیاء عمری کی نگرانی میں لکھا ہے جبکہ دوسرا مقالہ اردن یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں استاد ولید قیسہ نے لکھا ہے۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ کے مشتملات

مغازی موسیٰ بن عقبہ کے دستیاب شدہ نصوص کے جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مکمل سیرت نبوی کا احاطہ کیا تھا بلکہ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں کے بقول اس [illegible] ائرہ کار ۳۵۱ھ تک محیط ہے[89]۔ لیکن چونکہ ہمارا موضوع صرف کتاب المغازی

ہے اس لیے ہم نے ان روایات سے تعرض نہیں کیا ہے۔
مغازی موسیٰ بن عقبہ کی اولین روایت ہمیں مغیرہ بن قصی کے وصف میں ملتی ہے، اس کے علاوہ بعثت سے قبل کی روایات میں حمیر کے آخری بادشاہ کی مدت حکومت 'نذر عبدالمطلب' ولادت، کعبہ کی تعمیر نو اور زید بن عمرو بن نوفل سے ملاقات کی روایت شامل ہے۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، وحی کی ابتدار، مسابقین اولین ہجرت حبشہ اور مہاجرین حبشہ شعب ابی طالب میں محصوری قریشی مقاطعہ کا انجام ام المومنین حضرت خدیجہ کی وفات، اسرار و معراج، قبائل کو دعوت اسلام، سفر طائف، بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ' اور ان دونوں میں حصہ لینے والے افراد کی فہرست، ہجرت کی اجازت صحابہ کرام کی ہجرت، مہاجرین مدینہ کی فہرست کے ذکر پر ختم ہوتا ہے اور مدنی دور کی ابتدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتی ہے جس میں سراقہ بن مالک کا قصہ، حضرت ایوب کی مہمان نوازی، قبا میں قیام وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کی تاسیس، سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ بن حارث، سریہ عبداللہ بن جحش، تحویل قبلہ، غزوہ بدر، اصحاب بدر کی فہرست وہب بن عمیر کا قبول اسلام، غزوہ سویق، کعب بن اشرف کا قتل، غزوہ احد، غزوہ حمراء اسد، شہداء احد کی فہرست، قصہ بعث الرجیع، حادثہ بئر معونہ۔ سریہ ارض بنی سلیم، غزوہ بنو نضیر غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر موعد، غزوہ خندق غزوہ بنی قریظہ، ابورافع یہودی کا قتل، غزوہ ذات القرد، غزوہ بنو مصطلق، صلح حدیبیہ ابوبصیر و ابوجندل کا قصہ، غزوہ خیبر، سریہ عبداللہ بن رواحہ، عمرۃ القضاء، سریہ ابن ابی عوجاء سریہ ذات اباطح، غزوہ موتہ، سریہ ذات السلاسل، ہرقل کے ساتھ ابوسفیان کی گفتگو، نجاشی کی وفات، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ اوطاس، غزوہ طائف، تقسیم غنائم، قدوم وفد ہوازن، عمرۃ الجعرانۃ۔ غزوہ تبوک، قصہ کعب بن مالک، سریہ خالد بن ولید، حج اکبر، اسلام عروہ بن معتب، اسلام عروہ بن مسعود اور ان کی شہادت، وفد بنو ثقیف کی آمد اور ان کی واپسی کے بعد کا واقعہ، قدوم وفد بنو تمیم، منذر بن ساوی کے پاس آپؐ کا خط روانہ کرنا۔ غزوات و سرایا کی تعداد اور اس کی وضاحت کہ آپؐ کتنے غزوات میں شریک ہوئے، آپؐ کے عمروں کی تعداد، مرض وفات اور وفات اور ام ایمن

کا آپؐ کی وفات پر آہ وفغاں کرنا۔ اس پر مدنی دور کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ مذکورہ عناوین وہ ہیں جن کے نصوص ہمیں اپنی تحقیق کے دوران دستیاب ہوئے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مکمل سیرت لکھی تھی جو سوئے اتفاق سے مکمل دستیاب نہ ہو سکی تاہم مذکور عناوین سے اس کے متعلق ایک حتمی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

حواشی

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی: مقدمہ مغازی الرسول لعروۃ بن الزبیر، منشورات مکتب الابیۃ العربی لاول الخلیج، ریاض ۱۹۸، ص۱۹-۲۱ ۔ احمد اسکندری: کالوسیط فی تاریخ الأدب العربی وتاریخہ، دار المعارف مصر (سولھواں ایڈیشن) ص۱۰۲ اور محمد سعید رمضان بوطی: فقہ السیرہ۔ دار الفکر دمشق۔ ۱۹۹۱ ص۲۱، ۲۲

۲؎ تفصیل کے لیے۔ فواد سیزگین: تاریخ التراث العربی، الہیئۃ المصریۃ العامۃ کتاب۔ ۱۹۷۷ء ص ۱/۳۴۳-۳۴۴، محمد مصطفیٰ اعظمی، دراسات فی الحدیث النبوی المکتب الاسلامی بیروت ص۹۲-۱۴۲ اور مقدمہ مغازی الرسول لعروۃ بن الزبیر ص۲۱-۲۹ اور ڈاکٹر صالح احمد علی: محاضرات فی تاریخ العرب مطبعۃ المعارف، ۱۹۵۹ء، ۱/۳۴۳

۳؎ تفصیل کے لیے دیکھئے: حسین نصار، نشاۃ التدوین التاریخی عند العرب، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔ قاہرہ (ب۔ت) ص۲۸ اور نشاۃ الکتابۃ الفنیۃ عند العرب، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ، ۱۹۵۴ء ص۱۹۲-۱۹۳، عبد السلام ہارون: مقدمہ تہذیب ابن ہشام، دار سعد مصر، ۱۹۵۵ء۔ ص۱۰-۱۱، احمد امین: فجر الاسلام، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص۲۲۳ ضحی الاسلام۔ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ ۱۹۵۲ء ص۲/۳۱۹-۳۲۰، ڈاکٹر ابوشہبۃ: السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ، دار القلم دمشق ۱۹۹۲ء ص۱/۲۷-۲۸۔

۴؎ تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ التراث العربی۔ ص۱/۴۴۳-۴۵۷

۵؎ تفصیل کے لیے دیکھئے، قاضی اطہر مبارک پوری: تدوین سیر و مغازی، شیخ الہند اکیڈمی۔ دار العلوم دیوبند۔ ۱۹۹۵ء، ص۱۰۱-۲۰۰

۶؎ ضحی الاسلام، ص۲/۳۲۰

۷؎ موسیٰ بن عقبہ کا ترجمہ متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ چند اہم مصادر درج ذیل ہیں:

(۱) مزی : تہذیب الکمال (۲) ابن حجر: تہذیب التہذیب
(۳) ذہبی : سیر اعلام النبلاء (۴) ذہبی : تاریخ الاسلام
(۵) مسعود الرحمٰن خاں ندوی : ابن کثیر کمورخ
(۶) اکرم ضیاء عمری : موسیٰ بن عقبہ احدا ر ودا فی کتابۃ السیرۃ النبویہ اور السیرۃ النبویہ الصحیحۃ
(۷) مصطفیٰ شاکر: التاریخ العربی والمورخون (۸) مصطفیٰ : دراسات فی الحدیث النبوی
(۹) علامہ شبلی : مقدمہ سیرت النبی (۱۰) اردو دائرہ معارف
(۱۱) قاضی اطہر مبارک پوری : تدوین سیر و مغازی۔

۸ه یعقوب فسوی : کتاب المعرفۃ والتاریخ۔ تحقیق اکرم ضیاء عمری۔ مکتبہ الدار مدینہ منورہ ۱۴۱۰ھ ص ۱۹۳/۲
۹ه بروکلمان نے ابو العباس ذکر کیا ہے جو تصحیف کا نتیجہ ہے : تاریخ الادب العربی دار المعارف مصر ۱۹۶۲ء ص ۱۰/۳/۱
۱۰ه ابن عبدالبر، کتاب التمہید ص ۱۵۵/۱۳ ۱۱ه تہذیب الکمال ص ۱۲۱/۲۹
۱۲ه المزی : تہذیب الکمال، تحقیق بشار عواد معروف، موسسۃ الرسالۃ ۱۹۹۲ء ص ۱۲۱/۲۹
۱۳ه بعض لوگ انھیں حضرت ابن زبیر کا مولی بتلاتے ہیں، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کہ باپ کا مولی یقیناً بیٹے کا مولی ہوگا۔
۱۴ه ابن ابی حاتم نے ان کا نام ذکر نہیں کیا ہے لیکن انھیں بنت خالد بن معدان قرار دیا جو محقق کتاب کے بقول غلط ہے۔ دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ۱۵۴/۴/۱
۱۵ه کتاب المعرفۃ والتاریخ۔ ص ۱۹۳/۲
۱۶ه شذرات الذہب ص ۲۱۰/۱
۱۷ه المغازی الاولی ومولفوہا۔ تقریب حسین نقبار، مطبع البابی الحلبی مصر ۱۹۴۹ء ص ۶۹
۱۸ه دراسات فی الحدیث النبوی۔ ص ۲۱۳
۱۹ه محاضرات فی تاریخ العرب ص ۲۲۶
۲۰ه التاریخ العربی والمورخون، دار العلم للملایین۔ بیروت ۱۹۹۷ء (طبع ثانی) ص ۱۵۳
۲۱ه تاریخ الاسلام مکتبۃ القدسی (ب، ت) ص ۱۳۳/۶-۱۳۴
۲۲ه ان کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے تفصیل کے لیے دیکھئے۔ امام مزی : تہذیب الکمال، ص ۲۹ ۱۱۵، ۱۱۶، امام بخاری : التاریخ الکبیر، مطبع دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۶۳ء (طبع دوم) ۲۹۲/۴/۱ ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعدیل ص ۱۵۴/۴/۱ - ابن حجر تہذیب التہذیب، دائرہ المعارف العثمانیہ

حیدرآباد ۱۳۲۶ھ (طبع اول) ص ۳۶/۱، ۱۴۳۶۱ امام ابن حبان مشاہیر علماء الامصار، مکتبہ ابن الجوزی دمام ص ۸۰، امام ذہبی: سیر اعلام النبلاء تحقیق شعیب الارنؤوط موسستہ الرسالہ بیروت ۱۹۹۲ء ص ۱۱۵/۶

۲۳ھ تہذیب الکمال ص ۱۲۱/۲۹، اور خیر القرون کی درس گاہیں از قاضی اطہر مبارکپوری ص ۲۸۲-۲۸۳

۲۴ھ فواد سیزگین: تاریخ التراث الاسلامی ص ۴۵۹/۱

۲۵ھ تلامذہ کی فہرست کے لیے دیکھئے وہ کتابیں جو ان کے اساتذہ کے ضمن میں ذکر کی گئی ہیں۔

۲۶ھ تاریخ یعقوبی، دار بیروت، بیروت ۱۹۶۰ء ص ۳۶۳/۲

۲۷ھ دول الاسلام، مطبعۃ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۷ھ، ص ۷۲/۱

۲۸، ۲۹ھ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن ص ۱۲۱/۵-۱۲۲ اور ص ۱۹/۸ مزید دیکھئے التاریخ الکبیر ۲۱۶/۱/۱

۳۰ھ تہذیب الکمال ص ۱۱۸/۲۹، تقریب التہذیب، دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۸ء (طبع دوم) ص ۵۵۲ تاریخ۔ خلیفہ بن خیاط تحقیق اکرم ضیاء عمری، دار طیبہ ریاض ۱۹۸۵ء (طبع دوم) ص ۲۶۷

۳۱ھ تہذیب الکمال ص ۱۲۱/۲۹ ۳۲ھ ایضاً

۳۳ھ سیر اعلام النبلاء ص ۱۱۷/۶

۳۴ھ سیر اعلام النبلاء ص ۴۳۸/۴

۳۵ھ امام ذہبی: تلخیص المستدرک ص ۲۶۸/۳

۳۶ھ ذہبی: تاریخ الاسلام ص ۱۳۳/۶-۱۳۴ اور ابن منظور: مختصر تاریخ دمشق، تحقیق مامون صاغرجی، دار الفکر ۱۹۸۹ء ص ۲۹۸/۲۵

۳۷ھ احمد امین: ضحی الاسلام۔ ص ۳۲۷/۲

۳۸ھ محاضرات فی تاریخ العرب۔ ص ۲۴۶

۳۹ھ تفصیل کے لیے دیکھئے، حسین نصار: نشأۃ التدوین التاریخی عند العرب ص ۵۵-۵۶

۴۰ھ ایضاً ۴۱ھ ذہبی: تاریخ الاسلام ۱۳۴/۶

۴۲ھ المغازی الاولیٰ ومولفوہا ص ۷ اور مزید دیکھئے حدائق الانوار از ابن الدبیع ص ۱۹ (مقدمہ محقق)

۴۳ھ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ تہذیب الاسماء ص ۱۱۸/۲/۲۔ سیر اعلام النبلاء ص ۱۱۷/۶، کتاب الجرح والتعدیل ص ۵۷/۱/۴، تہذیب التہذیب ص ۳۶۲/۳، تہذیب الکمال ص ۱۱۸/۲۹-۱۱۹

۴۴ھ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۱۷/۶ تقریب التہذیب ص ۵۵۲ اور ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۹

۴۵ھ تفصیل کے لیے دیکھئے وہ مصادر جو ان کے ترجمے کے متعلق منقول ہیں۔

۴۶ھ ابن حجر: الاصابہ ص ۳۵۷/۲

۴۷ھ تہذیب الکمال۔ ص ۱۱۹/۲۱، مزید دیکھئے سیر اعلام النبلاء ص ۱۱۶/۶ اور تہذیب التہذیب ص ۳۶۱/۱۰

۴۸ھ تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ مغازی الرسول لعروہ بن الزبیر از ڈاکٹر مصطفیٰ ص ۴۸-۸۹

۴۹ھ سیر اعلام النبلاء ص ۱۱۷/۶

۵۰ھ تفصیل کے لیے دیکھئے دراسات فی الحدیث النبوی۔ ص ۳۸۶-۳۹۰، مقدمہ تحقیق مغازی الرسول لعروہ بن الزبیر، ص ۴۷، ۸۹ اور ڈاکٹر عبدالعزیز دوری کی علم التاریخ عندالعرب۔ ص ۲۷

۵۱ھ تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کا مضمون "موسیٰ بن عقبہ احد الرواد فی کتابۃ السیرۃ النبویۃ" مجلہ الدراسات الاسلامیہ، بغداد ۱۹۶۷ ص ۶۴

۵۲ھ دیکھئے، طبقات ابن سعد ص ۲۹۳/۵، سیر اعلام النبلاء ص ۸۰/۴

۵۳ھ تہذیب التہذیب ص ۲۹۱/۸ اور دراسات فی الحدیث النبوی ص ۲۱

۵۴ھ دراسات فی الحدیث النبوی ص ۳۸۸

۵۵ھ بلاذری: فتح البلدان تحقیق عبداللہ انیس الطباع - دارالنشر للجامعین ۱۹۵۷ء ص ۱۱۰

۵۶ھ منہج واسلوب کے لیے دیکھئے اکرم ضیاء عمری کا مذکورہ مضمون ص ۶۵-۶۶، التاریخ العربی والمورخون ص ۱۵۹، التدوین التاریخ عندالعرب ص ۵۴-۵۵ نشأۃ الکتابۃ الفنیۃ۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶ اور علم التاریخ عندالعرب وغیرہ۔ ص ۲۷

۵۷ھ ابن اثیر: اسدالغابہ، المطبعۃ الاسلامیۃ طہران (ب-ت) ص ۳۵۷/۴ ۵۸ھ ایضاً ص ۳۲۶/۱

۵۹ھ مقدمہ تحقیق از شوقی خیف۔ ص ۸-۹ ۶۰ھ طبقات ابن سعد ۵۲۲/۳

۶۱ھ الاستیعاب۔ ص ۲۰/۱-۲۱

۶۲ھ الاکتفاء ص ۵۲/۱

۶۳ھ طبقات ابن سعد ص ۵۲۲/۳

۶۳ھ عیون الاثر ص ۶/۱

۶۴ھ تاریخ یعقوبی ص ۶/۲

۶۵ھ المغازی الاولیٰ ص ۴۲ اور مقدمہ تحقیق طبقات ابن سعد ص ۱۰/۱

۶۶ھ طبقات ابن سعد ص ۶/۳ اور محاضرات فی تاریخ العرب، ص ۲۵

۶۷ھ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ۔ ص ۱۴۸/۱

۶۸ عبدالواحد مصطفیٰ مقدمہ تحقیق السیرۃ النبویۃ لابن کثیر۔ ص۱/۳۔ مزید دیکھئے مسعود الرحمٰن خاں ندوی کی کتاب "ابن کثیر کمورخ" ص۵۳-۵۴

۶۹ اکرم ضیاء عمری السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، مکتبۃ العلوم والحکم مدینہ منورہ ۱۹۹۴ء (بارششم) ص۱/۵۶ بحوالہ المعجم المفہرس

۷۰ اور اس جیسے دو مزید اقوال مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو تہذیب الکمال، ص۲۹/۱۱۸-۱۱۹

۷۱ سیر اعلام النبلاء، ص۶/۱۱۵

۷۲ کتانی: الرسالۃ المستطرفۃ، دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۶ء ص۱۱۰

۷۳ تہذیب الکمال۔ ص۲۹/۱۲۰

۷۴ الرسالۃ المستطرفہ۔ ص۱۱۰

۷۵ سیر اعلام النبلاء، ص۶/۱۶۵

۷۶ بیہقی: دلائل النبوۃ: تحقیق عبدالمعطی قلعجی۔ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ ص۲/۶۴،۶۳

۷۷ کشف الظنون ص۲/۱۷۴۷ والرسالۃ المستطرفۃ۔ ص۱۰۹

۷۸ تاریخ التراث العربی ص۱/۴۵۷

۷۹ التاریخ العربی والمورخون ص۱۵۸

۸۰ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ ص۲۰/۴۷۹ ۸۱ مقدمہ سیرۃ النبی، ص۱/۲۳

۸۲ راقم السطور نے معارف میں شائع اپنے ایک مقالہ میں اس کی موجودگی کو گیارہویں صدی تک ثابت کیا ہے جو راقم السطور کا سہو ہے۔

۸۳ المغازی الاولیٰ، ص۷ ۸۴ دیکھئے التاریخ العربی والمورخون ص۱۵۹

۸۵ الاصابہ: ص۱/۳۵۲، ص۲/۱۸ اور ص۳/۳۲۳

۸۶ A. GUILLAUME : THE LIFE OF MUHAMMAD (INTRODUCTION: X/III- X/VII)

۸۷ تفصیل کے لیے دیکھئے: دراسات فی الحدیث النبوی ص۳۸۶-۳۹۰، مقدمہ تحقیق مغازی الرسول لعروۃ بن الزبیر از ڈاکٹر اعظمی ص۷۷

۸۸ احادیث منتخبہ من مغازی موسیٰ بن عقبہ لابن قاضی شہبۃ، تقدیم مشہور حسن سلمان ص۱۳۳

۸۹ مسعود الرحمٰن خاں ندوی۔ ابن کثیر کمورخ ص۵۳-۵۴